حضرت محمد ﷺ اور رفاہی کام

مولانا امیر الدین مہر☆

﴿۲﴾

بھوکے کو کھانا کھلانا

ہر انسان کی بنیادی اور طبعی ضرورتوں میں سے ایک لازمی ضرورت خوراک ہے۔ یہ وہ ضرورت ہے جس سے انسان کو کسی صورت اور حالت میں بھی چھٹکارا نہیں ملتا۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے اپنے ماننے والوں کو تاکید کی اس کا اجر وثواب بتایا اور اس کے مختلف پہلو بیان کئے۔ ان کا مختصر سا بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا:

تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت ومن لم یعرف (۱)

تم کھانا کھلاؤ، اور سلام کرو ہر اس شخص کو جسے تم پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، جوں ہی آپ کے چہرے مبارک پر میری نظر پڑی میں سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ پہلی بات جو آپ ﷺ نے اس وقت فرمائی وہ یہ تھی:

یاایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام و صلوا بالارحام وصلوا باللیل والناس نیام، تدخلوا الجنۃ بالسلام (۲)

اے لوگو! سلام کو رواج دے کر اسے پھیلاؤ، (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے جڑو، رات میں جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو اور سلامتی کے ساتھ بہشت میں داخل ہوجاؤ۔

رات کی نماز سے مراد تہجد کی نماز ہے، جو کردار سازی اور اصلاحی کام کرنے والوں کے لئے بہت

☆نگراں دعوۃ ریجنل سینٹر۔ کراچی

بڑی ضرورت ہے۔ تہجد نبی صلی اللہ علہ وسلم کے لئے تو لازمی تھی، البتہ امت کے لئے سنت غیر مؤکدہ ہے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا بہ ظاہر ایک چھوٹی سی خدمت ہے لیکن کسی معاشرے میں اس کی اہمیت کا احساس ہو جائے تو کوئی بھی شخص بھوک و پیاس برداشت کرنے پر مجبور نہیں ہوگا اور معاشرہ فقر و فاقے سے نکل آئے گا۔ کھانے کی ضرورت کا اندازہ پاکستانی قوم نے ۱۸ را کتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے موقع پر کیا۔ آفت زدہ لوگوں نے کھانے پینے کی اشیا بھیجنے کی درخواستیں کیں، تاکہ جان و روح کا رشتہ برقرار رہے، دوسری درخواست خیمے اور کمبل مہیا کرنے کی تھی۔ گویا انسانی بنیادی ضرورت روٹی کپڑا اور مکان ہی ہے، ان تین ضرورتوں کو جدید دنیا نے بھی تسلیم کیا ہے اور قدیم دور میں بھی یہی بنیادی ضرورتیں تھیں۔

کھانے پینے میں دوسروں کی شرکت

آپ نے بھوکے فرد کو اپنے کھانے میں شریک کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا

دو افراد کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین کا چار کے لئے کافی ہے۔ (۳)

اس طرح مل کر کھانے سے چاہے کھانے والوں کا پیٹ نہ بھرے تو بھی قوت لایموت حاصل ہو سکتی ہے، یعنی سب زندہ رہ سکتے ہیں۔

انبیائے کرام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی اور مہمانوں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلانے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تفصیل سے کیا ہے۔ پھر روایات میں آیا ہے کہ جب تک ان کے دستر خوان پر کوئی مہمان یا ضرورت مند کھانے والا نہیں ہوتا تو کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنے خادموں کو راستے پر کھڑا کرتے جو لوگوں کو بلا کر لاتے اور حضرت خلیل اللہ ان کو شریک کرتے تھے۔ (۴)

انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے امت کے لئے کھانے اور پانی کا بندوبست کیا، جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے زمزم کا کنواں کھود کر اس سے مسلسل پانی نکال کر اسے آباد رکھا۔

آج دنیا میں سینکڑوں لنگر خانے، مہمان خانے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کے مراکز نبوی تعلیم کا کرشمہ ہیں۔ بعض اوقات کھانا کھلانے میں انسان کو یہ خیال آتا ہے کہ یہ کھانا کم ہو جائے گا۔ لیکن اس خیال کو دور کر دینا چاہئے اور کھانے میں دوسرے کو شریک کر لینا چاہئے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہے۔

کھانا کھلانے میں دوسرا خیال نفس اور شیطان کی طرف سے یہ ہوتا ہے کہ یہ سادہ کھانا دوسروں کو کیسے پیش کریں۔ یہ خیال بھی غلط ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کھانا ہوتا وہ مہمان کو پیش کرتے اور خود اس

میں شریک ہو جاتے، اور کبھی یہ عار محسوس نہیں کیا کہ یہ کھانا سادہ ہے اور مہمان کو پیش کرنے کے قابل نہیں ہے یا یہ کم ہے۔ اصل بات اخلاص سے پیش کرنے اور شریک کرنے کی ہے۔

کھانا کھلانے اور کھانے سے تواضع کرنے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی گوشت خریدا کرے (اور پکائے) تو پکانے میں شوربہ زیادہ کردے، پھر کسی کو گوشت نہ حاصل ہو تو شوربا تو پائے گا اور وہ گوشت کا ہی حصہ ہے۔ (۵)

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف قناعت کی تعلیم دی تو دوسری طرف کھانا کھلانے کی ترغیب دی۔ اسلام نے ویسے بھی دکھلاوے، ریا اور نام نمود سے پرہیز کرنے کا سبق دیا ہے۔ اسلام کی خصوصیات میں سے سادگی، اخلاص اللہ کی رضا کا حصول اور اللہ کے بندوں کی خدمت کا داعیہ رہا ہے، پھر ان باتوں میں شرک اور دوسرے جذبات خیالات سے پرہیز کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔

ان روایات سے یہ نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ مومن کو کھانے کھلانے کے سلسلے میں وسیع الظرف، کشادہ دل اور سخی ہونا چاہئے۔ اپنا کھانا سادہ رکھ کر دوسروں کو شریک کرنا، تھوڑے خرچ سے زیادہ لوگوں کو کھانا کھلانا مومن کی شان ہے اور صفات النبی ﷺ اور صفات صحابہ وصلحا ہے۔

۲۔ کھانا پکانے میں سادگی کا اہتمام کرنا چاہئے اور لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ جیسا کہ اوپر حدیث بیان ہوئی ہے کہ سالن میں شوربا زیادہ کرنا چاہئے تا کہ زیادہ لوگ فائدہ حاصل کریں۔

۳۔ شادی کی دعوت، خیرات کا کھانا اگر بچ جائے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے، جیل خانوں، اسپتال یا غریبوں کی بستیوں میں لے جا کر تقسیم کرنا چاہئے۔ جیسے کراچی کے بعض ادارے کرتے ہیں۔

۴۔ مولوی نذیر حسین (دیوبند سہارنپور کے عالم) کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پھلوں کے چھلکے اپنے گھر کے باہر نہیں ڈالتے تھے بلکہ جانوروں کی گزرگاہ پر ڈالتے تھے تا کہ ایک طرف تو پڑوسی بچے دیکھ کر للچائیں نہیں، دوسری طرف وہ چھلکے ضائع نہ ہوں بلکہ جانور کھائیں۔ اسی طرح دسترخوان کے بچے ہوئے بڑے ٹکڑے بلیوں کو دیتے، چھوٹے ٹکڑے دیوار پر ڈالتے تا کہ پرندے کھائیں اور باریک ذرات چونٹیوں اور مکوڑوں کے بلوں پر ڈالتے تھے۔

۵۔ کھانے پینے کی اشیا پر رعایت دے کر سستے داموں فروخت کرنا، اس سے ایک طرف عوام کی ضرورت پوری ہوگی اور وہ بھیک مانگنے کے بھی عادی نہیں ہوں گے۔

۶۔ بعض اصحاب خیر ہوٹلوں سے غربا کو کھانا کھلاتے ہیں، یہ بھی اچھا طریقہ ہے۔

۷۔ چھوٹی بڑی آفات کے مواقع پر جیسے آگ لگنا، کسی کے گھر میت ہونا، سیلاب و برسات ہونا متاثرین کو کھانا دینا بھی شعار اسلام ہے۔

۲۔ پانی پلانا

پانی انسان کی بنیادی اساسی اور لازمی ضروریات میں سے ہے۔ کوئی انسان پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ پانی ہے زندگی۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پانی کا تذکرہ لفظ ماء کے ساتھ ۶۳ مرتبہ کیا ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کی لاکھوں نعمتوں میں سے پانی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس لازمی اور ضروری نعمت کو بڑی کثرت سے پیدا کیا۔ کرۂ زمین پر تین چوتھائی پانی اور ایک چوتھائی حصہ خشکی ہے۔ پھر اس کو عام کیا ہے کہ ہر جگہ ہر خطے اور ہر علاقے میں پایا جاتا ہے۔ گو کہیں تھوڑا لیکن بہ قدر ضرورت اور کہیں بہت زیادہ۔ شریعت مطہرہ نے پانی بیچنے اور ضرورت مندوں سے روکنے کو ناپسند کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آگ پانی اور ہوا کسی کی ملکیت نہیں ہیں۔

پانی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ کریں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> **ایما مؤمن اطعم مؤمناً علی جوع اطعمہ اللہ یوم القیامۃ من ثمار الجنۃ، وایما مؤمن سقی مؤمناً علی ظماہ سقاہ اللہ یوم القیامۃ من الرحیق المختوم وایما مؤمن کسا مؤمناً علی عری کساہ اللہ من خضر الجنۃ (۶)**
>
> جس مومن نے کسی مؤمن کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا تو قیامت کے دن اللہ جنت کے پھلوں میں سے اسے کھلائیں گے۔ اور جس مؤمن نے کسی پیاسے مؤمن کو (مشروب) پلایا تو اللہ اسے قیامت کے دن سر بند پاکیزہ شراب پلائیں گے۔ اور جس مومن نے کسی ننگے بدن مؤمن کو کپڑا پہنایا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائیں گے۔

اس روایت میں آپ ﷺ نے ان نکات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۱۔ آپ ﷺ نے پانی پلانے، کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے کا اجر و ثواب یکساں اور برابر بیان کیا ہے۔

۲۔ انسان کی بنیادی ضرورت کی تکمیل کے لئے لوگوں کو ترغیب دلائی اور بڑے اجر کا وعدہ کیا، ایسا اجر جو سینکڑوں گنا بلکہ ہزاروں گنا زیادہ ہے۔

۳۔ حدیث کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حقیقی ضرورت منداور حاجت مند کو کھلانے پلانے کا یہ ثواب ہے۔ ہمارے ہاں جیسے ضرورت بے ضرورت ہر ایک کو کھلاتے پلاتے ہیں، یہ درست نہیں۔

ایک اور حدیث ملاحظہ کریں۔ حضرت حسنؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ کی والدہ فوت ہوگئی تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری والدہ فوت ہوگئی ہے، کیا میں ان کی طرف سے کوئی صدقہ (خیرات) کروں، آپ ﷺ نے فرمایا:

نعم، قال فأی الصدقة افضل؟ قال سقی الماءِ فتلک سقایة سعد بالمدینة (۷)

ہاں کرو، انھوں نے پھر پوچھا، کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پانی پلانا، پس مدینہ میں یہ سعد کی سبیل ہے۔

ضرورت مند سے پانی روکنے اور نہ دینے کی مذمت اور اس کے فائدوں سے محروم رکھنے کی وعید آپ ﷺ سے اس طرح منقول ہے۔ حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثة لاینظر الله الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم، رجل کان له فضل ماءِ بالطریق فمنعه من ابن السبیل (۸)

تین شخص ہیں جن کی طرف اللہ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا، اور نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ایک وہ آدمی جو راستے پر رہتا ہو، اس کے پاس (ضرورت سے) زیادہ پانی موجود ہو، اور وہ مسافر کو اس کے استعمال سے روک دے۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنے اور کنواں کھودنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ (۹)

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور فقہا و علما کی تشریحات سے پانی پلانے، عام کرنے، ضرورت مندوں تک پہنچانے اور زرعی پانی کے بارے میں بہت سے احکام معلوم ہوتے ہیں، مثلاً

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کو پانی پلانے کا کام بنو ہاشم کے حوالے کیا تھا، بلکہ اس پر ان کی ذمہ داری لگائی تھی۔ (۱۰)

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ آتے ہی جن باتوں کا سب سے پہلے بندوبست کیا ان میں پینے کے پانی کا بندوبست تھا اور ابتدائی اوقاف میں پانی پلانے کا وقف پہلے قائم کیا، جیسے حضرت عثمانؓ کا

بئر رومہ خرید کر وقف کرنا۔ پانی کا بندوبست دوسرے انبیا کی سیرت میں بھی موجود ہے۔

۳۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے کچھ معجزات وہ ہیں جن میں پانی کی کثرت واقع ہوئی۔

۴۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو پانی پلانے کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔

۵۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگوں میں پانی کا بندوبست کرتے تھے، جسے جنگ بدر میں سب سے پہلے پانی کا بندوبست کیا۔

۶۔آپ ﷺ نے ایصال ثواب کے لئے پانی پلانے، پانی کی سبیل لگانے اور ضرورت مند کو پانی دینے کو سب سے زیادہ پسند کیا ہے۔ بزرگوں اور علمانے بھی اس طریقے پر عمل کیا ہے۔

۷۔ ہرے درختوں، پودوں اور فصلوں کو پانی دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جو لوگ ان مقاصد کے لئے پانی نہیں دیتے بلکہ روکتے ہیں، ان کو آپ نے ناپسند کیا ہے، بلکہ وعید بیان کی ہے۔

۸۔کسی انسان، جانور اور حیوان کو پیاسا رکھ کر مارنے کو بہت ہی برا کہا ہے۔

۹۔مجاہدوں، نمازیوں اور جہاد میں شریک لوگوں کو پانی پلانا بڑے اجر وثواب کا سبب ہے، صحابہ و تابعین اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

۱۰۔مساجد و مدارس میں پانی کا بندوبست کرنا بڑے اجر کا کام ہے۔

۳۔ضرورت مند کو لباس فراہم کرنا

انسان کی بنیادی ضرورتوں، حاجتوں اور لازمی احتیاجات میں غذا کے بعد لباس کی ضرورت ہے۔ اسلام نے لباس کی اہمیت کا نہ صرف احساس کیا بلکہ انسانوں کو ان کی ضروریات مہیا کرنے کی فضیلت بیان کی۔ اوپر روایت بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مومن نے کسی مومن کو ننگے بدن ہونے پر لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) جنت کا سبز لباس پہنائیں گے۔(۱۱)

لباس اور انسان کا روز اول سے ساتھ رہا ہے اور نہ صرف رہتی دنیا تک رہے گا۔ آدم اور حوا علیہما السلام کو جب جنت سے نکالا گیا تو سب سے پہلے لباس کی ضرورت ہوئی۔ ارشاد باری ہے:

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (۱۲)

دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا، آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزا چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو

جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔

اس آیت کریمہ پر غور کریں تو انسان کی فطری، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی ضروریات میں اہم ضرورت لباس ہے۔ اسلام نے انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے کئی طریقے اور پہلو نکالے ہیں، ان میں ایک انسانوں کو نفلی خیرات کے طور پر لباس پہنانا اور دوسرے طریقہ کفارات اور جرمانوں وغیرہ کا یہ رکھا کہ کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ساٹھ مسکینوں کو لباس پہنائے، کفارات عام طور پر واجب ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لباس پہنانے اور پوشاک عطا کرنے میں بھی بہت زیادہ سخی تھے۔ کسی قسم کے سوال کو لوٹاتے نہیں تھے۔ پوشاک عطا کرنے کے بارے میں ایک روایت ہے۔ حضرت سعید بن سہلؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت ایک بردہ (چادر) لے کر آئی، سہل نے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ بردہ کیا ہے؟ پھر انہوں نے کہا کہ اس کے کناروں پر جھالر بنی ہوئی تھی۔ اس عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے تا کہ آپ کو پہناؤں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت سمجھتے ہوئے وہ لے لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ ہماری طرف (گھر سے) آئے اور یہ چادر پہنی ہوئی تھی۔ ایک آدمی نے اسے چھوا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ مجھے پہنا دیجئے آپ نے فرمایا اچھا، پھر مجلس میں جتنا اللہ نے چاہا بیٹھے رہے پھر گھر تشریف لے گئے، وہاں اس چادر کو اتار کر لپیٹا اور اس آدمی کے پاس بھیج دیا۔ اس پر لوگوں نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہیں کیا۔ تو نے وہ چادر آپ سے مانگ لی جب کہ تجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کسی سائل کو خالی نہیں لوٹاتے۔ اس پر اس شخص نے کہا اللہ کی قسم میں نے وہ اس لئے لی ہے کہ میری وفات کے دن وہ میرا کفن بنے۔ (۱۳)

اس نوع کا ایک اور واقعہ حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے والے کے پاس آئے اور اس سے چار درہم میں ایک قمیص خریدی۔ آپ وہ پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے تو انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ قمیص پہنا دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے لباس میں سے پہنائے۔ آپ پھر دکاندار کی طرف آئے اور اس سے چار درہم میں دوسری قمیص خریدی۔ آپ ﷺ کے پاس دو درہم بچے۔ یہ درہم آپ نے ایک ضرورت مند لونڈی کو دے دیئے۔ پھر اس لونڈی کو ان کے مالکوں سے مل کر ان کی مرضی سے آزاد کرالیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دس درہموں میں اتنی برکت دی کہ اپنے نبی کو قمیص پہنائی انصار کو ایک قمیص پہنائی اور ان سے ایک گردن (غلامی سے) آزاد کرائی۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس نے اپنی قدرت سے ہمیں یہ

مواقع نصیب کئے۔(۱۴)

اس حدیث میں انفاق، سخاوت کرنے، ضرورت مند کو کپڑے پہنانے اور غریب کی مدد کرنے کے کئی ایک سبق واضح ہیں۔

۱۔عام طور پر لوگ دو تین مرتبہ کپڑے پہن کر پھر بیچ دیتے ہیں یا بے کار پھینک دیتے ہیں، لیکن یہی کپڑے غریبوں میں تقسیم کیے جائیں تو کتنے ہی لوگوں کی ستر پوشی ہو جائے۔

۲۔پاک و ہند کے دیہاتوں میں ایسے لاکھوں لوگ موجود ہیں جن کے پاس ایک دو جوڑوں کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں ہے اور نہ ہی نیا خریدنے کی سکت رکھتے ہیں۔اگر صاحب ثروت لوگ اپنے اترے ہوئے کپڑے دھلوا کر استری کروا کر ان لوگوں کو پہنچائیں تو ایک طرف اجر و ثواب ملے گا، اور دوسری طرف ان لوگوں کے دلوں میں مال داروں کے لئے محبت اور نرمی کے جذبات پروان چڑھیں گے۔

۳۔ہم مغرب کے خوش حال لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے پرانے کپڑے غریب ممالک میں بھیج دیتے ہیں، اس طرح یہ لوگ بھی اچھا لباس پہن لیتے ہیں اور اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

۴۔یتیموں پر شفقت

معاشرے کے جو کمزور اور بے بس طبقات ہیں ان میں سے ایک یتیموں کا طبقہ ہے۔وہ بچے جن کے سر سے والد کا سایہ اٹھ جاتا ہے وہ یتیم کہلاتے ہیں، عام طور پر معاشرہ انہیں کمزور اور بے سہارہ سمجھ کر ان پر زیادتی کرتا ہے، اور زیادتی کرنے والوں میں اکثر ان کے عزیز و اقارب بلکہ قریبی رشتے دار ہوتے ہیں، جیسے بھائی، چچا، ماموں، چچازاد بھائی وغیرہ۔جن کی نظریں مالی و مادی مفادات پر ہوتی ہیں۔یتیموں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں عام طور پر اور عرب میں خاص طور پر بڑی حق تلفی ہوتی تھی۔عرب یہ نظریہ رکھتے تھے کہ یتیم چوں کہ لڑائی میں لڑ نہیں سکتے اور ساتھ نہیں دے سکتے اس لئے ان کی میراث ہڑپ کرنے اور انہیں میراث سے محروم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔لہٰذا یہ بے سہارا اور بے بس بچے دردر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔نبی رحمت و شفقت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کو مقام دیا اس کا اندازہ اس حدیث مبارک سے کیجئے۔حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا و کافل الیتیم فی الجنة هکذا و اشار بالسبابة و الوسطی و فرج بینهما (۱۵)

میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح جائیں گے، اور آپ ﷺ نے اپنی

شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا اور ان دونوں کے درمیان فاصلہ دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمزور طبقے پر شفقت و رحمت کا ایسا جامع درس دیا اور عملاً ان کے حقوق دلائے اور ان پر شفقت کا ہاتھ رکھا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جو شخص یتیم پر رحم کرتا ہے، اس سے گفتگو میں نرمی کرتا ہے، اس کی یتیمی اور کمزوری پر رحم کھاتا ہے اور اللہ نے جو فضل (مال اور حیثیتِ مرتبہ) اسے دیا ہے اس کی بنا پر وہ اپنے پڑوس سے کوئی زیادتی نہیں کرتا۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص سے صدقہ قبول نہیں کرتا جس کے قریب و عزیز اس کی صلہ رحمی کے محتاج ہیں اور وہ اسے غیر میں خرچ کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔ (۱۶)

یتیم بچوں کی دیکھ بھال اور دل جوئی کے بارے میں ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو اٹھائے ہوئے میرے پاس آئی۔ میں نے ان کو تین کھجوریں کھانے کے لئے دیں۔ اس عورت نے ان میں ہر ایک کو ایک ایک کھجور دی اور ایک کھجور اس نے اپنے منہ کی طرف کھانے کے لئے بڑھائی، تو ان لڑکیوں نے وہ اس سے مانگی، اس عورت نے وہ کھجور دو ٹکڑے کر کے انہیں دے دی، مجھے اس کی یہ بات بڑی عجیب لگی میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے اس کے لئے جنت واجب (لازم) کردی یا آپ نے فرمایا اللہ نے اسے دوزخ سے آزاد کردیا۔ (۱۷)

اسلام نے یتیم بچوں اور بچیوں کو معاشرے کا فعال اور محترم حصہ بنانے کے لئے جو تفصیلی ہدایات دی ہیں وہ کسی دور تہذیب اور مذہب میں نظر نہیں آتیں۔ اس کا ایک مقصد ہے کہ وہ معاشرے کا کارآمد حصہ بن کر اس کی تعمیر و ترقی کا کام اچھے طریقے سے سرانجام دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں پر شفقت و رحمت کا جو درس دیا ہے اسی میں ان کی ہر طرح خدمت کرنا ان سے پیار کرنا، ان کے متروکہ مال و اسباب کی حفاظت کرنا، ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرنا، ان کی عقل و شعور کامل ہونے پر ان کا مال و اسباب ان کے حوالے کرنا، یتیم بچوں کی شادی کی فکر کرنا اور شادی کرانا، ان کو تکلیف و رنج نہ دینا۔ حکومت وقت کا ان کے مال و اسباب اور جائداد کی حفاظت کے

لئے جج اور نگران مقرر کرنا اور ان کی شادی کا بندوبست کرنا، یہ سب امور شامل ہیں۔

یتیم کے مال واسباب کے سلسلے میں امام بیہقی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جس شخص کے زیر نگرانی یتیم کا مال ہو تو اسے چاہئے اسے تجارت میں بڑھنے کے لئے لگائے، اسے ایسے ہی نہ رہنے دے کہ صدقہ اور خیرات اسے ختم کردے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے یتیم کی دیکھ بھال اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے تین اہم پہلوؤں سے بندوبست کیا ہے۔

ا۔اس کے قریبی عزیز رشتہ دار اور خاندان کے لوگوں کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو اس کے حقوق کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ اسلامی حکومت کو ان کے معاملات کا ذمہ دار قرار دیا اور اس کے بارے میں تاکیدی احکام دیئے۔

۵۔بچوں پر شفقت

نبی رحمت وشفقت اور رؤف ورحیم نے پھول جیسے معصوم بچوں کے حقوق اور ان سے برتاؤ کے آداب اپنے قول وعمل سے کھول کھول کر بیان فرمائے ہیں، اور صحابۂ کرامؓ سے بھی آپ کے اسوۂ حسنہ سنت مطہراہ اور احادیث مبارکہ کو یاد رکھا اور آنے والی نسلوں تک پہنچایا اور ان پر عمل کرکے دکھایا۔ بچوں پر شفقت کے بہت سے واقعات ہیں جنہیں اگر پوری طرح بیان کیا جائے تو یہ محدود اوراق تنگ ہو جائیں گے۔ لہٰذا چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے بیان کیا:

کان رسول اللہ ﷺ اذا قدم من سفر تلقی بصبیان اھل بیتہ قال وانہ قدم من سفر سبق بی الیہ فحملنی بین یدیہ ثم جیء باحد ابنی فاطمۃ رضی اللہ عنھا فاردفہ خلفہ، قال فادخلنا المدینۃ ثلاثۃ علی دابۃ، وفی راویت ابن اسحاق الفزاری عن عاصم عند ابی داؤد کان النبی ﷺ اذا قدم من سفر استقبل بنا فاینا استقبل اولا جعلہ امامہ فاستقبل بی فحملنی امامہ ثم استقبل بحسن او حسین فجعلہ خلفہ فدخلنا المدینۃ وانا کذالک (۱۸)

رسول اللہ ﷺ جیسے ہی سفر سے آتے تھے تو (سب سے پہلے) اپنے خاندان کے بچوں سے ملتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ سفر سے تشریف لائے تو سب سے پہلے

مجھے ان کی طرف بڑھایا گیا، تو مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھالیا، پھر حضرت فاطمہؓ کے بیٹوں میں سے ایک کو آگے بڑھایا تو انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم تینوں ایک سواری پر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو بچہ آپ کا پہلے استقبال (سامنا) کرتا اسے اپنے آگے بٹھالیتے، چناں چہ (عبداللہ) پہلے سامنے آیا تو مجھے آگے بٹھایا پھر حسن یا حسین سامنے آئے تو انہیں اپنے پیچھے بٹھایا۔ پس ہم مدینے میں اسی حالت میں داخل ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت کے واقعات میں زیادہ تر آپ کی اولاد جیسے حضرت یا آپ کی اولاد کی اولاد یعنی حضرت زینب اور حضرت فاطمہ کی اولاد، حضرت جعفر کے بیٹے، حضرت زید کے بیٹے اسامہ، حضرت عباس کے بیٹے، حضرت محمد کے بیٹے اور حضرت زینب کی بیٹی امامہ کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو بچوں سے کتنی محبت تھی اور خود بچوں کو آپ سے کتنی بے تکلفی اور محبت تھی۔ ان ناموں کے علاوہ انصار کے بچوں اور مہاجروں کی اولاد اور دیگر بچوں کے تذکرے بھی احادیث میں آئے ہیں۔ نیز غزوات وسرایا اور جہاد کے مواقع پر مشرکین، یہود ونصاری کی چھوٹی اولاد کا بیان بھی موجود ہے۔ ان روایات میں بچوں سے شفقت اور ان سے پیار ومحبت کرنے اور ان کی پرورش اور اخلاق تربیت دینے اور انہیں زندگی کے عملی میدان میں آگے بڑھانے کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔

بچوں سے شفقت، ان کی تربیت، تعلیم اور ان سے برتاؤ کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ کریں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا:

خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فما قال لی اف ولا لما صنعت؟ ولا الا صنعت (۱۹)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، اس دوران مجھے نہ تو اف کہا اور نہ یہ کہا کہ یہ کام کیوں کیا اور نہ یہ کہا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی سال رہا۔ آپ ﷺ نے نہ تو مجھے کوئی گالی دی اور نہ کبھی مارا اور نہ ہی ڈانٹا ڈپٹا اور نہ چہرے میں ناراضگی ظاہر کی، جب مجھے کسی کام کا حکم دیا اور میں نے اس میں سستی کی تو میری اس پر گرفت نہیں کی، اگر آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے کوئی مجھے ڈانٹتا تو فرماتے اسے چھوڑ دو کیوں کہ اگر تقدیر میں لکھا ہوتا تو یہ ہو جاتا۔ (۲۰)

ان روایات سے یہ نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں بچوں کے مزاج و رجحان اور ان کی نفسیاتی اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کو بچوں سے بہت پیار وشفقت تھی اور بچوں کو بھی آپ کی رحیمانہ طبیعت کی وجہ سے محبت تھی۔ آپ دنیا کے جنرلوں، سرداروں اور بادشاہوں کی طرح نہیں تھے کہ آپ کے سامنے ہٹو بچو کی آوازیں لگائی جاتیں، اور کسی کو سامنے نہ آنے دیا جاتا۔

۳۔ آپ بچوں سے بھی اصولی تعلیم اور مساوات کا لحاظ رکھتے تھے، جو پہلے آیا اسے اپنے آگے بٹھایا اور جو بعد میں آیا اسے اپنے پیچھے بٹھادیا تاکہ بچوں میں فرق وامتیاز کا خیال نہ آئے، اور مساوات کا سبق ملے۔

۴۔ آپ کا معمول یہی تھا کہ مدینے میں داخل ہوتے وقت بچوں کو سلام کرتے اور بعض کو اپنی سواری پر بٹھالیتے۔

۵۔ اسی شفقت ورحمت کی وجہ سے بعض اوقات بچے مدینے سے باہر نکل کر آپ ﷺ کا استقبال کرنے کے لئے منتظر رہتے تھے۔

۶۔ بچوں کو ہر وقت اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مارنا صحیح نہیں ہے، عام طور پر مارنے سے اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بچوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو نقصان دہ ہے۔

۷۔ بچوں کی خوبیوں کی تعریف کرنا، ہمت بڑھانا اور شاباش دینا چاہئے۔

۸۔ بچوں کو نماز باجماعت کے لئے مسجد میں لے جانا چاہئے۔

۹۔ بچوں کے سامنے جھوٹ بولنا، گالی دینا، غلط ہے اس سے بچنا چاہئے۔

۱۰۔ اساتذہ، والدین اور رشتہ داروں کو چاہئے کہ بچوں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کریں۔

۱۱۔ کھانے پینے کی اشیا تقسیم کرنی ہوں یا دینی ہوں تو پہلے بچوں کو دی جائیں۔

۶۔ نکاح کی ضرورت اور حاجت مند کا نکاح کرانا

اسلام جو پاکیزہ معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اس کی بنیاد فرد کی اصلاح وتربیت اور تعلیم وتدریس پر رکھنے کے بعد افراد سے بننے والی سوسائٹی میں سب سے زیادہ توجہ خاندان کی تنظیم وتربیت بر دیتا ہے، جتنے افراد اچھے ہوں گے اور ان سے تشکیل پانے والا خاندان بہتر ہوگا اتنا ہی وہ معاشرہ اچھا اور پاکیزہ ہوگا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: